# ذوالفقار مرزا۔۔۔مک مکاؤ۔۔۔مٹی پاؤ

تحریر: سہیل احمد لون

پاکستان میں "سیاست" کو عوامی امنگوں کا آئینہ بنا کر دنیا میں اپنا تشخص مثبت انداز میں پیش کرنے کی بجائے اس کو ایک "موروثی کھیل" بنا دیا گیا ہے۔ "سیاسی باندر کلے" کے اس کھیل میں کھلاڑی کی بصیرت اور مہارت سے زیادہ اس کی سیاسی نسل دیکھی جاتی ہے۔ سیاسی باندر کلے میں اقتدار کا رسہ اگر کسی اناڑی کے ہاتھ آجائے تو وہ زیادہ دیر تک اس کلے پر رسہ تھام کر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ ایک تو اس کو اپنے کلے کی راکھی کرنے کے زیادہ گر نہیں آتے دوسرا اس کی آنکھوں پر چند مفاد پرست مشیر اعتماد کی پٹی باندھ دیتے ہیں۔ پھر مجبوراً اس کو ویسا ہی کرنا پڑتا ہے جیسے مشورہ دیا جاتا ہے۔ اس اناڑی کے اندھے پن کا فائدہ اٹھانے والے بہت جلد اس کو ایسے مقام تک پہنچا دیتے ہیں جہاں پر اسے اقتدار کا رسہ چھوڑ کر بھاگنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات دوڑ لندن اور جدہ تک بھی لگانی پڑ جاتی ہے۔ کھلاڑی اگر شاطر ہو تو اقتداری کلے کی رسی کافی دیر تک تھامے رکھتا ہے۔ جب حالات سازگار نہ رہیں تو جوتے کھانے سے پہلے ہی کلے کی رسی چھوڑ دیتا ہے۔ بعض اوقات اقتداری کلے کی رسی بوٹوں والے کے ہاتھ بھی لگ جاتی ہے۔ وہ تو ہوتے ہی آل راؤنڈر ہیں جو ہر کھیل میں کپتانی کے دعویدار بھی ہیں۔ اپنے اقتداری کلے کی راکھی کرنا تو ان پر ختم ہے۔ جب تک کلے پر کھڑے ہوں چھوٹے موٹے سیاست دان تو پاس آنے کی جرات ہی نہیں کرتے۔ رسہ چھوڑ کر بھاگنے کی باری ان کی بھی آ ہی جاتی ہے ...... چاہے دیر سے ہی!!! اس کھیل کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ہر اناڑی اور کھلاڑی کے مقدر میں آخر کار جوتے ہی لکھے ہوتے ہیں۔ جب جوتے پڑنے کی باری آتی ہے تو شاطر کھلاڑی اپنی جان بچانے کے لیے کسی کو بھی ہاتھ لگا کر وقتی طور پر کلے کی راکھی کی ذمہ داری اس کے کندھے پر ڈال دیتا ہے۔ مگر اس "سیاسی باندر کلے" کا نشہ کچھ ایسا ہے کہ جوتے کھا کر بھی رسہ دوبارہ تھامنے کو دل کرتا ہے۔ باندر کلے کا یہ کھیل اتنا مقبول ہو چکا ہے کہ اس کے منتظم اعلیٰ پینٹا گون میں بیٹھ کر اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اقتداری کلے پر کوئی بھی ہو اس کی ڈور وہ اپنے ہاتھ ہی رکھتے ہیں۔

کسی بھی ملک کی تقدیر سنوارنے اور حالات بدلنے میں سیاست ہی مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ ہمارے سیاسی اکابرین نے اپنی ساری بصیرت اقتدار بچانے اور اپنے لیے دولت سمیٹنے میں صرف کر دی۔ جب تک "نسلی" سیاستدان اس کو کھیل تماشہ سمجھ کر مزہ لیتے رہیں گے تب تک اس ملک اور غریب عوام کے حالات میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ سیاست اب ایوانوں تک محدود نہیں بلکہ اس نے ہر شعبہ زندگی کو اپنے سحر میں لے لیا ہے۔ مذہب کے نام پر بھی مکروہ سیاست کا گھناؤنا کھیل کھیلا جاتا ہے۔ پاکستانی سیاست کا نام لیتے ہی ایک لفظ جو سب سے پہلے لوگوں کے ذہن میں آتا ہے وہ "جھوٹ" ہے کیونکہ سچ اور ہماری سیاست دو متضاد چیزیں ہیں۔ حالانکہ کوئی حکومت جھوٹ، جھوٹے وعدوں اور دعووں پر زیادہ دیر تک نہیں چل سکتیں مگر معجزانہ طور پر ہمارا ملک چاہے آدھا ہی رہ گیا ...... مگر ابھی تک قائم ہے۔ اس میں بھی چند بندوں نے چاہے کسی بھی وجہ سے جرات کا مظاہرہ کرکے سچ بولا ......! مگر ان کو گمنامی کی تاریکیوں میں ڈبو دیا گیا اور دوسروں کو باور کروا دیا گیا کہ ...... سچ بولنا مشکل ہے مگر سچ پر قائم رہنا اس سے مشکل ...... سچ کا ساتھ بغیر کسی لالچ اور خوف کے دینا مشکل ترین کام

ہے۔گزشتہ کچھ عرصہ میں کچھ لوگوں نے اس روایت کوتوڑ کرسچ بولا ، کسی نے سچے یا مظلوم کا ساتھ دیا یا کسی نے اصولوں کی بات کی.....تو نتیجہ ان کوعبرت کانشان بنانے کی کوشش کی گئی یا ان کو بالکل دیوار کے ساتھ لگا دیا گیا۔ان میں اعتزاز حسن، ناہید خان، صفدر عباسی، شاہ محمود قریشی، شیریں رحمان، جاوید ہاشمی، سلمان تاثیر، عمران خان کے علاوہ کچھ صحافی لوگ بھی شامل ہیں۔اس کار خیر میں بریگیڈیئر (ر) امتیاز بلا بھی شامل ہیں۔ان سب نے لب کشائی کی کچھ دن میڈیا میں واویلا مچا......پھر سارے معاملات ویسی ہی چلنا شروع ہو گئے۔آخر آج تک کبھی کسی کے انکشافات کوسنجیدگی سے کیوں نہیں لیا گیا؟ آج تک کبھی کسی کے الزامات کی تصدیق کے لیے کوئی عدالتی کارروائی ہوئی؟ کوئی کمشین مقرر کیوں نہیں ہوا؟ اگر کوئی تاریخ کا مجرم تھا تو اُس کو سزا کیوں نہیں سنائی گئی؟ پہلے تو لوگ الزامات لگاتے تھے اب معاملہ اس سے ایک قدم آگے چلا گیا ہے۔اب با قاعدہ پریس کانفرنس کر کے قرآن پاک پر حلفیہ بیان دیا جاتا ہے۔ذوالفقار مرزا نے بیانات کی ایسی اندھا دھند فائرنگ کی کہ ایم کیوایم کے ساتھ ساتھ رحمان ملک اور بابر اعوان کو سیاست کے مقبرے میں دفن کر دیا۔اُن کی پریس کانفرنس نے ان گنت سوالوں کوجنم دیا ہے۔مگر جواب اس کا ایک ہی ہے......مفادات کی جنگ......!اگر واقعی ان کے دل میں ایک دم سے ملک کی محبت اور عوام کا درد جاگ اٹھا ہے تو مرزا صاحب جذبات میں آدھا سچ تو بول چکے ہیں......آدھا سچ اور بول کر تاریخ میں اپنا نام ہی لکھوا دیں۔کیا پاکستان کو اس مقام تک لانے والے صرف رحمٰن ملک اور ایم کیوایم ہی ہیں؟ سچ بولیں تو بلا امتیاز......بلاتفریق!! باقی کام عدالت پر چھوڑ دیا جائے تا کہ عوام کو بھی دیکھنے کا موقعہ ملے کہ جس چیف جسٹس کو بحال کروانے میں انھوں نے اپنا خون پسینہ پانی کی طرح بہایا۔اس کی قیمت بھلا چوہدری افتخار صاحب کیسے چکاتے ہیں؟ ایک مثال قائم کرنے کے لیے کوئی بھی کیس لے کر اُس کا آن ایئر ٹرائل کر کے حق اور باطل کی اس جنگ کا آغاز کیا جائے۔اگر اس معاملے کو بھی وقت کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا تو آنے والا وقت ہم پر رحم نہیں کرے گا۔ویسے مرزا صاحب نے جو انکشافات کیے ہیں وہ کوئی نئے نہیں۔یہ سب باتیں تو اکثر خاص محفلوں میں موزوں بحث رہتی تھیں۔مرزا صاحب نے اگر حوصلہ کر ہی لیا ہے تو سابقہ روایت برقرار رکھتے ہوئے......مٹی پاؤ۔۔کم مکاؤ۔۔والا فارمولا استعمال نہ کیا جائے۔مرزا صاحب کی ایک بات سمجھ سے بالاتر ہے۔وہ میڈیا کے سامنے بڑا کچھ بول گئے مگر آصف زرداری کے آگے لب کشائی کی جرات نہیں کر سکتے۔اگر وہ پارٹی اور قیادت کے اتنے خیر خواہ ہیں تو وفاداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ جو آج میڈیا کے سامنے کہا وہ زرداری صاحب کے گوش گزار بھی کر دیتے۔یہ تو ایسا ہی لگتا ہے کہ وفا کے مجسم پتلے نے اپنے آقا کے ایماء پر ہی یہ قدم اٹھایا ہو۔اس میں بھی اقتداری ''کلے'' کی رسی زیادہ عرصے تک تھامنے کی پلاننگ بھی ہوسکتی ہے۔محترمہ شہیدہ کو لحد میں اتارنے کے بعد آج تک زرداری صاحب نے ڈگری کے بغیر ایسی شاطرانہ چالیں چلیں ہیں کہ بڑے بڑے پی ایم اے اور آکسفورڈ سے پڑھے ہوئے بھی ان سے مات کھا گئے......!تو میاں صاحب اور الطاف حسین کس باغ کی مولی ہیں......؟؟ اب اگر ان میں اتنی سیاسی بصیرت ہے کہ وہ جب چاہیں حریف کو حلیف بنالیں تو یہ سیاسی بصیرت اقتداری کلے کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کے لیے کیوں استعمال ہو رہی ہے۔اگر اسکو ذاتی مفادات کی بجائے ملکی مفادات کی خاطر استعمال کیا جائے تو عوام کو کچھ فائدہ بھی ہو......!!! مگر عوام کی کون سوچتا ہے؟ مرزا صاحب نے بھی اپنی پٹاری اور آستین سے جو سانپ نکالے ہیں وہ کس کو ڈستے ہیں۔۔کس کو نہیں......؟ ہوسکتا ہے ماضی کی طرح پھر ان کو مفاہمت کی بین بجا کر مست

کر کے واپس پٹاری میں ڈال دیا جائے۔اگر یہ سانپ کسی کو ڈس بھی لے تو اس کا تریاق لندن ، جدہ، دوبئ اور واشنگٹن میں مل جاتا ہے۔کچھ لوگ تو پہلے سے علاج کروا کر شفا یاب ہو رہے ہیں اور سیاسی باندر کلے میں حصہ لینے کے لیے تیار ہیں۔

4 ستمبر 2011ء

sohailloun@gmail.com